سورہ ھمزہ

مکہ معظمہ میں نازل ہوا۔ اس میں نو آیتیں ہیں

ماقبل سے ربط ماقبل سورت میں بیان فرمایا گیا تھا کہ ایمان والوں اور صالحین، حق پر قائم رہنے اور تکالیف پر صبر کرنے کی تاکید کرتے رہنے والوں کے سوا، باقی تمام انسان، گھاٹے اور خسارے میں ہیں۔ اس سورت شریفہ میں ان ہی خاسرین کے چند گروہوں کا بیان فرمایا جارہا ہے۔ گویا یہ سورت شریفہ ماقبل سورت کی توضیح وتشریح ہے بالفاظ دیگر وہ متن تھا اور یہ اس کے چند اجزاء کی شرح ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ عہ لُّمَزَۃِۙ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ ۙ 04-1

یَحْسَبُ اَنَّ مَالَہٗٓ اَخْلَدَہٗ ۚ بڑی خرابی ہے ہر طعنہ دینے والے عیب 04-2

عہ الھمز الکسر کالھزم واللمز الطعن کاللھز شاعا فی الکسر من اعراض الناس

پُھنے والے کی جس نے سمیٹا مال اور گن گن کر جتن کر رکھا اسکو وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال ہی ہمیشہ بچا رکھے گا اسکو۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ ۔)

والغض منہم واغتیابھم والطعن فیھم واصل ذلک کان استعارۃ لانہ یتصور الکسر والطعن الحقیقیان فی الاجسام فھما حقیقۃ عرفیۃ وقال ابن عباس رضی هو المشاء بالنمیمۃ المفرق بین الجمع المغری بین الاخوان۔ وعن مجاھد الھمزۃ الطعان فی الناس واللمزۃ الطعان فی الانساب۔ وعن ابی العالیۃ الھمز فی الوجہ واللمز فی الخلف۔ وعن ابن جریج الھمز بالعین واللمز باللسان۔ (روح المعانی) ھمز توڑنے اور ٹکڑے کرنے کو کہتے ہیں جیسا کہ ھزم کے بھی یہی معنی ہیں۔ اور لمز طعنہ دینے کو کہتے ہیں جیسا کہ لھز کے بھی یہی معنی ہیں۔ عرف میں یہ دونوں لفظ عزت ریزی کرنے اور لوگوں کی شان گھٹانے کے ہیں۔ نیز لوگوں کی غیبت کرنی اور ان پر وار کرنا۔ در اصل یہاں استعارہ ہے کیونکہ حقیقی طور پر جسم کے کسی حصہ کو توڑنا اور اس پر وار کرنا مراد نہیں۔ لہٰذا حقیقۃ عرفیہ مراد ہوگی۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ھُمزہ سے چغلخور مراد ہے جو لوگوں میں پھوٹ ڈالتا اور بھائیوں میں نفاق کا بیج بوتا ہے۔" حضرت مجاہد نے فرمایا "ھمزہ طعنہ باز اور لمزہ نسب میں کلام کرنے والا ہے۔" حضرت ابو العالیہ کہتے ہیں "ھمزہ منہ پر برا بولنے والا اور لمزہ پیٹ پیچھے بدگوئی کرنے والا۔" حضرت ابن جریج نے

هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ کی تفسیر | یعنی کیا ہی خرابی ہے ہر اس شخص کی جو لوگوں کو ان کے منہ پر طعنہ دیتا اور غائبانہ ان کی عیب چینی کیا کرتا ہے۔ خواہ ان میں وہ عیب ہو یا نہ ہو۔ اور خواہ وہ اس کے طعن کے مستحق ہوں یا نہ ہوں مگر یہ طعنہ باز اور عیب چیں اپنی طعن و تشنیع میں لگا ہوا عیب چینی کرتا پھرتا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ دوسروں پر طعنہ زنی اور عیب جوئی کے بجائے اپنے آپ پر نظر کرتا کہ خود میں ایسی کتنی خصلتیں ہیں جن پر اس کو طعنہ دیا جا سکتا ہے اور اپنے اندر کتنے عیوب ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے۔ اگر وہ اپنے عیوب اور اپنی کوتاہیوں پر نظر ڈال کر اصلاح کی فکر کرتا تو یہ وصف اس کے حق میں سودمند ہوتا اور ذریعۂ نجات بنتا۔ خود کو فراموش کیا ہوا ہے اور دوسروں کا پیچھا کر رہا ہے۔ فرض کیجئے کہ یہ جس چیز پر دوسروں کو طعنہ دے رہا ہے اور ان کے عیوب بیان کر رہا ہے اگر فی الحقیقت وہ اس طعن کے مستحق نہیں ہیں اور وہ عیب ان میں موجود نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ ایسا شخص بہتان تراشی کر رہا ہے۔ اور بے وجہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔

یوں تفسیر کی:۔ ھمزہ آنکھ مارنے والا اور لمزہ زبان سے یاوہ گوئی کرنیوالا۔"
صاحب قاموس نے بھی وہی معنی لکھے ہیں جو حضرت ابو العالیہ سے منقول ہیں۔ واللہ اعلم۔

لوگوں کو الزام دے رہا ہے۔ ایسی حالت میں اس کے طعن اور عیب جوئی سے دوسروں کا تو کوئی نقصان نہ ہوگا بلکہ خود ہی لوگوں کی نظر میں جھوٹا ثابت ہوگا اور اس کا اعتبار دلوں سے جاتا رہیگا۔ یہ سزا دنیا میں ملی۔ اور آخرت میں اسکے لئے جو عذاب رکھا گیا ہے اس کا بیان آگے آرہا ہے۔

شانِ نزول اس سورت کریمہ کے شان نزول میں متعدد اقوال ہیں۔ حضرت عثمان بن عمر فرماتے ہیں:۔ نزلت فی اُبیّ خلف۔ (ابن ابی حاتم) یہ سورت شریفہ اُبی بن خلف کے بارے میں نازل ہوئی۔" سُدّی کہتے ہیں:— فی اُبی بن عمرو الثقفی الشھیر بالاخنس بن شریق فانہ کان مغتابا کثیرا لوقیعۃ۔ (ابن ابی حاتم) ابی بن عمرو ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی جو لوگوں میں اخنس بن شریق کے نام سے مشہور تھا۔ انھوں نے ایسا اس بنا پر کہا کہ اخنس بن شریق لوگوں کی غیبت بہت کیا کرتا اور اکثر ان کی عیب جوئی میں لگا رہتا تھا۔" ابن اسحاق کہتے ہیں:۔ فی امیّۃ بن خلف الجمحی وکان یھمز النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویعیبہ۔ (ابن ابی حاتم) یہ سورت شریفہ اُمیہ بن خلف جمحی کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طعنے دیا کرتا اور آپ کو عیب لگانا چاہتا تھا۔" حضرت مجاہد کہتے ہیں:

فی جمیل بن عامر۔ جمیل بن عامر کے باب میں نازل ہوئی۔" ایک قول یہ ہے
فی الولید بن المغیرۃ واغتیابہ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وغضہ منہ۔ (روح المعانی) یہ سورت ولید بن مغیرہ کے بیان میں نازل ہوئی
جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیبت کیا کرتا اور آپکی طرف التفات کرنیکی ترغیب
دیتا تھا۔" اور ایک قول یہ ہے:۔ فی العاص بن وائل۔ (روح المعانی)
یہ سورت کریمہ عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی۔" غرض یہ چند روایات
اور اقوال ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان سب کے باب میں اس سورت شریفہ کا نزول
ہوا ہو لیکن اس کا حکم عام ہے۔ ان چند اشخاص پر اس کا انحصار نہیں۔ بلکہ جن جن
لوگوں کا ایسا وتیرہ ہو سبھی اس کے حکم میں داخل ہوں گے۔ کیونکہ ارشاد ہو رہا ہے:۔
ویل لکل ھمزۃ لمزۃ۔ بڑی خرابی ہے ہر طعنہ باز عیب چیں کی۔" خواہ وہ کسی
زمانے اور کسی مقام پر ہو یہ عادت جس میں ہوگی اس کی خیر نہیں۔ وہ جو کوئی ہو۔

مومن اور منافق کا امتیاز مومن اور منافق میں بڑا فرق ہے۔ حدیث شریف
ہے:۔ المؤمن کیّسٌ فطنٌ حذرٌ وقّافٌ متثبّتٌ عالمٌ ورعٌ
والمنافق ھُمَزۃٌ لُمَزۃٌ حُطَمَۃٌ کحاطب لیل لا یدری من این
اکتسب وفیم انفق۔ ایمان دار کی صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ دانا سمجھدار

محتاط ہوتا ہے۔ دیکھ بھال کر قدم اٹھاتا ہے، ثابت قدم رہتا ہے، علم رکھتا ہے۔ پرہیزگار ہوتا ہے۔ اور منافق، طعنہ زن، عیب چیں ہوتا ہے، قدم قدم پر ڈگمگاتا ہے۔ اس کی مثال تاریک رات میں لکڑیاں جمع کرنے والے کی طرح ہے۔ اس کو خبر نہیں کہ کیا اٹھا لایا، کہاں سے حاصل کیا اور کس موقع پر خرچ کیا؟" علامہ قاشانی فرماتے ہیں کہ طعنہ زنی اور عیب چینی، یہ دونوں رذیل عادتیں ہیں جو جہالت اور غصے اور تکبر سے پیدا ہوتی ہیں۔ جن سے لوگوں کو ایذا پہنچتی ہے۔ ایسا شخص لوگوں سے خود کو عالی مرتبہ سمجھتا اور ان پر اپنی بڑائی جتانا چاہتا ہے، جب وہ دیکھتا ہے کہ خود میں کوئی ایسی فضیلت نہیں ہے جس کی بنا پر وہ اپنا تفوق جتا سکے تو وہ لوگوں کی عیب چینی کرنے لگتا ہے اور طعنے دیتا جاتا ہے تاکہ اس ذریعے سے لوگ اس کی برتری مان لیں۔ اس احمق کو خبر نہیں کہ اپنی تعلی جتانا اور شیخی بگھارنا خود ایک رذیل عادت ہے۔ پھر اگر وہ ایسے مذموم طریقہ سے ہو تو اور بھی بری بات ہے۔ اس کو یوں سمجھئے کہ وہ اپنے آپ کو دھوکے میں رکھا ہوا ہے نفس اور شیطان کے پھندے میں پھنسا ہوا ہے۔ جبھی تو لوگوں کو ان کے منہ پر بیجا طعنہ دیتا اور غائبانہ ان کی غیبت کرتا ہے۔ اس کا اصلی سبب کیا ہے، اس کا بیان آگے آ رہا ہے۔

جمع مالا وعددہ کی تفسیر اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ۔ (ایسا طعنہ زن اور عیب جیں وہی ہوا کرتا ہے) جو حرص کے مارے بے غل و غش مال سمیٹتا جاتا اور بخل کے مارے اس کو بار بار گنتا رہتا ہے" کہ اندوختہ میں کچھ کمی تو واقع نہیں ہوئی؟ حالانکہ تحصیل مال جائز اور حلال طریقے سے ہونی چاہئے اور جب وہ اپنی ضروریات کی تکمیل کے بعد بھی بچ رہے تو اس میں سے حق اللہ (مثلاً زکاۃ، صدقۂ فطر اور قربانی) ادا کرنا چاہئے۔ مومن ہی سے ایسی توقع کی جاسکتی ہے۔ کوئی کافر یا منافق اس کو کیا جانے؟ اور اسکے ایسے نصیب کہاں ہوسکتے ہیں؟

دوسری تفسیر بعض مفسرین کرام نے عدّدہٗ کی بنا اور اشتقاق عدّۃ یعنی گننے سے نہیں جیسا کہ اوپر گزرا بلکہ اس کو عُدّۃٌ سے ماخوذ قرار دیا ہے جس کے معنی ہیں "ذخیرہ اور توشہ" اس اعتبار سے آیۂ کریمہ کے معنی یہ ہوں گے کہ (طعنہ زن اور عیب جیں وہی ہوا کرتا ہے) جو مال کو بلا لحاظ حلال و حرام اور بلا امتیاز جائز و مکروہ سمیٹتا جاتا اور اس کو آڑے وقت پر کام آنے والا ذخیرہ قرار دیتا ہے" جیسا کہ فی زمانا اکثر کفار کا یہی حال ہے کہ ان کو دولت دنیا جیسی جیسی ملتی جاتی ہے اس کو سمیٹ سمیٹ کر حوادث دہر اور آفات ارضی و سماوی میں کام آنے کے لئے ذخیرہ کرتے جاتے ہیں۔ اس میں سے حق اللہ تو کیا ادا کرتے بلکہ اپنے خیال خام

از روئے زعم باطل کے مطابق نفع آور کاموں میں لگاتے جاتے ہیں۔ اور رات دن نت نئی تجویزیں سوچتے اور طرح طرح کی تدبیریں کئے جاتے ہیں۔ انکو اتنی سمجھ نہیں کہ مال کی بہتات ہی ایسی چیز ہے جو آفات و بلیات کو دعوت دیتی اور بہتیرے مصائب کرتی ہے۔ مگر ان کا زعم یہ ہے کہ اس مال سے آفات و بلیات کو دفع کیا جائے گا۔ چنانچہ کتب تفاسیر میں ہے: "وکان للاخنس المذکور اربعۃ آلاف دینار او عشرۃ آلاف (روح البیان و روح المعانی) اخنس مذکور کے پاس چار ہزار دینار اور ایک روایت کی رو سے دس ہزار دینار تھے" اور یہی اندوختہ اسکے تکبر اور غرور کا سبب تھا۔ چار ہزار یا دس ہزار کا اندوختہ اگرچہ اخنس کی نظر میں بہت بڑی دولت ہو لیکن دیکھا جائے تو دنیا میں کتنے لکھ پتی کروڑ پتی ہیں مگر محض مال و دولت کی بنا پر دنیا میں انکی کوئی عزت نہیں اسلئے کہ مال کی زیادتی اور دولت کی فراوانی کسی کی فضیلت کا سبب نہیں ہوتی۔ قارون کی نسبت باری تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہوا۔ ان قارون کان من قوم موسیٰ فبغیٰ علیھم وآتیناہ من الکنوز ما ان مفاتحہ لتنوء بالعصبۃ اولی القوۃ۔ یقیناً قارون جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا پھر ان پر شرارت کرنے لگا۔ اسکو ہم نے اتنے خزانے دئے تھے کہ اسکی کنجیاں اٹھانے سے ایک طاقتور جماعت تھک جاتی تھی۔" جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاطر میں نہ لایا تو اس کا کیا حشر ہوا؟ اخنس مذکور اور اس کے ہم خیال لوگوں کو بھی اس واقعہ قارون سے سبق لینا چاہئے۔

اخلدہ کی تفسیر | یَحْسَبُ اَنَّ مَالَہٗٓ اَخْلَدَہٗ۔ خیال کرتا ہے کہ اس کا یہی مال؛ اس کے خلود و دوام کا باعث ہے" یعنی جب تک یہ دولت اس کے پاس رہیگی اس کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہوگا۔ اسی گھمنڈ میں رہ کر وہ مال کو ہر طرح سے سمیٹتا اور بار بار گنتا رہتا ہے۔ نہیں جانتا کہ بسا اوقات مال و دولت ہی اس کے آفات و مصائب میں مبتلا ہونے کا سبب بنتی ہے۔ مال و دولت ایسی بلا ہے کہ اگر وہ حاصل ہو تو اس کی حفاظت کی فکر دامنگیر رہتی ہے کہ کس طرح اس کو محفوظ کیا جائے اور کہاں چھپایا جائے' اس تردد میں ان کی نیند حرام ہوجاتی ہے۔ اور سارا عیش تلخ ہوجاتا ہے اور اگر یہ میسر نہ ہو تو تہیدستی بار بار ستاتی ہے۔ ؎

شب چو عقد نماز بر بندم چہ خورد بامداد فرزندم

دوسری تفسیر | اخلدہٗ کی دوسری تفسیر اس طرح کی گئی ہے:۔ وہ یہ خیال کرتا رہتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ رہیگا" یعنی اس کو اپنی پوری زندگی میں تہیدستی کا سامنا کبھی نہ ہوگا۔ حالانکہ انسان کا یہ خیال بھی غلط ہے۔ دُنیا میں کتنے انسان ایسے ہیں کہ ان کے پاس مال و دولت کے انبار لگے ہوئے تھے۔ تصور بھی نہیں ہوتا تھا کہ یہ دولت کبھی ختم ہوجائے گی۔ اتنے میں انقلاب

انقلاب آیا کہ چشم زدن میں ساری دولت لٹ گئی۔ بڑے بڑے دولتمندوں کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ نانِ شبینہ کے محتاج ہو گئے۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ جمع کی ہوئی دولت کا کیا ذکر ہے۔ بڑی بڑی سلطنتیں اور بادشاہتیں دیکھتے دیکھتے تہ و بالا ہو جاتی ہیں۔ اس دنیا نے کس کا ساتھ دیا ہے جو اس طرح کا خیال کرنے والوں کا ساتھ دے گی۔ بہرحال پہلی تفسیر کے مطابق اگر کوئی یہ خیال کرے کہ اس کا قیام و دوام مال کی وجہ سے ہے تو یہ خیال بھی بجائے خود نہیں۔ اور اگر دوسری تفسیر کی بموجب یہ خیال کرلے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہیگا تو یہ بھی درست نہیں۔ اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے :۔

4. كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ 5. وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ

کیا ہے ؟"

ے الحطم کسر الشئ کالھشم ثم استعمل لکل کسر متناہ ویقال رجل حطمۃ ای اکول تشبیھا لہ بالنار ولذا قیل فی اکول ع کانما فی جوفہ تنور۔ (روح المعانی) کسی چیز کے توڑنے کو حَطْم کہتے ہیں۔ جیسا کہ توڑنے کو ھَشْم بھی کہتے ہیں۔ پھر اس کلمہ کا استعمال ہر محدود قسم کے توڑنے میں ہونے لگا۔ عرب کا محاورہ ہے :۔ رجل حُطَمۃ

حُطَمہ کی تفسیر | حُطَمہ سے دوزخ مراد ہے۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں:۔ الحطمۃ ھنا الدرك الرابع من النار۔ یہاں حُطَمہ سے نار دوزخ کا چوتھا درکہ مراد ہے" جس طرح جنت کے درجات ہیں۔ دوزخ کے درکات (گڑھے) ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:۔ لھا سبعۃ ابواب لکل باب منھا جزء مقسوم۔ دوزخ کے سات دروازے ہیں اس کے ہر دروازے کے لئے دوزخیوں کا ایک ایک گروہ مخصوص ہے" اس اعتبار سے حطمہ سے چوتھا درکہ مراد ہو تو وہ دوزخ کا بیچوں بیچ حصہ قرار پائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس میں جو عذاب ہوگا وہ دوزخ کے تمام عذابوں سے سخت تر ہوگا۔ کلبی کہتے ہیں:۔ ھی الطبقۃ السادسۃ من جھنّم۔ حطمہ جہنم کا چھٹا طبقہ ہے" یہ اس اعتبار سے کہ ارشاد باری ہے۔ ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار۔ یقیناً منافقین دوزخ کے سب سے نچلے درکہ میں ہوں گے" لہذا ان کفار کے لئے چھٹا درکہ متعین ہوگا۔ امام قشیری نے کلبیؒ سے روایت کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں انّھا الدرك الثانی۔ حطمہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یعنی بہت کھانے والا۔ گویا اس کے پیٹ میں آگ ہے۔ جو چیز اس میں ڈالی جائے اسکو جلا کر بھسم کر دیتی ہے۔ اسی لئے بہت کھانے والے کے بارے میں کہا جاتا ہے" وہ اتنا کھاتا ہے گویا کہ اسکے پیٹ میں تنور ہے"

دوزخ کا دوسرا درکہ ہے" اگر درکات جہنم کا شمار تحت سے کیا جائے تو درک اسفل جو منافقین کا مستقر ہے وہ پہلا ہوگا اور حطمہ دوسرا۔ اس لحاظ سے حضرت کلبی کی دونوں تفسیروں کا مآل ایک ہی ہوگا کہ اوپر سے گنتی شمار کی جائے تو حطمہ چھٹا اور اگر تحت سے شمار ہو تو دوسرا۔ واحدی کہتے ہیں:۔ ھی باب من ابواب جھنم حطمہ جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے" گویا انھوں نے کسی درکہ کا تعین نہیں فرمایا۔ بہر حال ہر تفسیر اپنی جگہ درست ہے۔

تفسیر بالا کا ماحصل یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ ہر طعنہ زن عیب چیں بدگو کی بڑی خرابی ہے جو حرص کے مارے ہر طریق سے مال اکٹھا کرتا رہا اور بخل کے بارے اسکو رات دن گنتا رہا۔ پھر یہ خیال کرتا رہا کہ وہ اور اس کا اندوختہ آپس میں ایسے لازم و ملزوم ہیں کہ نہ یہ اس سے جدا ہوگا اور نہ وہ اس سے کبھی علٰحدہ ہوگا۔ اول تو ایسا خیال ایک زعم باطل ہے۔ بیسیوں واقعات اس کے برخلاف وقوع میں آچکے اور آتے ہی رہتے ہیں اور ولو بالفرض ایسا ہی ہوا کہ مال و دولت نے ہمیشہ ساتھ دیا تو وہ کب تک؟ زیادہ سے زیادہ اس کی موت تک۔ اس محدود مدت میں انسان جس کبر و غرور میں مبتلا تھا وہ ختم ہوکر رہ جائے گا۔ پھر اس کے بعد انسان تو قبر میں ڈال دیا جائے گا اور اس کا مال قبر کے باہر ہی دھرا رہیگا جس کو ورثاء بانٹ لیں گے۔

یا لاوارث ہو تو حکومت کے خزانے میں داخل ہو جائے گا۔ ولو بالفرض ایسا بھی نہ ہوا بلکہ اس مال کو بھی انسان کے ساتھ قبر میں دفن کر دیا گیا تو کیا حاصل؟ قیامت میں وہ اور اس کا مال دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ اور وہاں اس کی تمام شیخی جاتی رہیگی۔ آگے خرابی ہی خرابی اور تباہی ہی تباہی۔

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ؕ آگ ہے اللہ کی سلگائی ہوئی، جو جھانک لیتی ہے دلوں کو۔

نار اللہ الموقدہ کی تفسیر یہ جواب ہے اس سوال کا جو وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ کے ذریعہ کیا گیا تھا۔ یعنی دریافت کیا گیا تھا کہ آپ کو کچھ خبر بھی ہے کہ حُطمہ یعنی توڑ ڈالنے والی کیا چیز ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ یہاں اس کا جواب ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ توڑ ڈالنے والی اللہ جل جلالہ کی آگ ہے جو اسی کی سلگائی ہوئی ہے۔ یعنی اللہ سبحانہ کے حکم خاص سے سلگائی گئی ہے۔ یہ آگ دنیا کی ہر قسم کی آگ سے نرالی ہی ہے۔ کوئی آگ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس میں جو تپش اور سوزش ہے اور اس کی جو تاثیر ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہاں نَارُ اللّٰهِ فرمایا گیا ہے جس میں نار کی اضافت اللہ جل جلالہ کی طرف ہے۔ لہذا اللہ سبحانہ کی ہر صفت میں جس طرح شان یکتائی ہے اسکی طرف

منسوب کی ہوئی آگ بھی اپنی صفات میں یکتا اور بے مثل ہے۔ اس کی ہولناکی کا کوئی کیا اندازہ کر سکے؟ پھر جو آگ اللہ سبحانہ کی روشن کی ہوئی ہو یا اس کے حکم سے روشن کی گئی ہو کس کی کیا مجال ہے کہ اس کو بجھا سکے؟

نار اللہ کی تشریح و توضیح احادیث شریفہ میں اس کی تشریح و توضیح اس طرح فرمائی گئی ہے:۔ حضرت ابو ہریرہؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:۔ اوقد علی النار الف سنۃ حتّٰی احمرّت ثمّ اوقد علیھا الف سنۃ حتّٰی ابیضّت ثمّ اوقد علیھا الف سنۃ حتّٰی اسودّت فھی سوداء مظلمۃ (ترمذی شریف) "آگ ایک ہزار سال تک سلگائی جاتی رہی تا آنکہ وہ سرخ ہو گئی۔ پھر اس کو مزید ایک ہزار سال تک سلگایا جاتا رہا یہاں تک کہ وہ سفید ہو گئی۔ پھر اس کو اور ایک ہزار سال تک سلگایا گیا تا آنکہ وہ سیاہ ہو گئی۔ اب وہ سیاہ تاریک ہے"۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دنیا میں جتنی اقسام بھی آگ کے ہیں وہ اس آگ کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ اس لئے کہ ان کے سلگانے اور روشن کرنے میں ذرا سی دیر بھی نہیں لگتی۔ دیا سلائی کھینچتے ہی یہاں کی آگ روشن ہو جاتی ہے۔ اور یہ اصول مسلمہ ہے:۔ ہر کہ زود برآید دیر نپاید۔ جو چیز جلد حاصل ہوتی ہے وہ دیر پا نہیں ہوا کرتی۔ نار اللہ

کے روشن ہونے اور سلگنے کا یہ حال ہے تو اس کی تاثیر بھی اسی کی مناسبت سے ہوگی۔ چنانچہ اس کی صفت یوں بیان فرمائی جا رہی ہے :۔

تطّلع علی الافٔدہ کی تفسیر

الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ۔ جو جھانک لیتی ہے دلوں کو" یعنی دلوں پر چھا جاتی اور دل کی گہرائی میں پہنچتی ہے کیونکہ فؤاد وسط قلب کو کہتے ہیں جو روح سے متصل ہے۔ نار اللہ کی صفت ہی یہ معلوم ہوئی کہ گوشت کو کھاتی ہوئی، ہڈیوں کو پاش پاش کرتی، شہوات نفسانیہ کے بندوں کے سینوں سے گزر کر ان کے وسط قلب کی خبر لیتی ہے۔ پھر ان منازل کو طے کرنے تک ان کا گوشت، پوست، اور ہڈیاں وغیرہ دوبارہ اصلی حالت پر تازہ و توانا ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کو پہلے کی طرح جلا کر بھسم کرتی ہوئی وسط قلب تک پہنچتی جاتی ہے اور یہی سلسلہ قائم و برقرار رہتا ہے۔ چنانچہ حضرت خالد بن عمران رضؓ حضور ختم المرسلین صلوات اللہ سلامہ علیہ وعلیہم اجمعین سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا:۔ ان النار تاکل اھلھا حتی اذا اطلعت الی افئدتھم انتھت ثم یعود کما کان ثم تستقبلہ فتطلع علی فؤادہ فھو کذلک فذلک قولہ تعالی نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ (ابن مبارک) دوزخ کی آگ دوزخیوں کو کھاتی چلی جائے گی تاآنکہ وہ جب ان کے دلوں تک

پہنچے گی تو رک جائے گی۔ اور یہ شخص پہلے کی طرح صحیح سالم ہو جائے گا۔ پھر آگ اپنا عمل شروع کرے گی اور اس کے دل تک پہنچیگی بس اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ نار اللہ التی تطّلع علی الافئدۃ میں اسی طرف ایما فرمایا جارہا ہے" حضرت کلبی اور علامہ قرطبی نے بھی یہی فرمایا ہے۔ قلب کو بالکلیہ جلا کر خاکستر نہیں کرتی اس لئے کہ یہ صورت دوزخی کے موت کی ہے اور موت سے عذاب ختم ہو جاتا ہے۔ اور دوزخیوں کی نسبت فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ کبھی نہیں مریں گے۔ ارشاد باری ہے:۔ لا یُقضیٰ علیھم فیموتوا و لا یخفّف عنھم من عذابھا کذلک نجزی کل کفور۔ نہیں فیصلہ کیا جائیگا ان دوزخیوں کی بابتہ پوری طرح ختم کر دینے کا کہ وہ مرجائیں اور نہ ان کے عذاب دوزخ میں کسی نوع کی کوئی تخفیف عمل میں لائی جائے گی۔ ہر ناشکر گزار کو ہم ایسی ہی سزائے دائمی دیا کرتے ہیں" وھم یصطرخون فیھا ربّنا اخرجنا نعمل صالحا غیر الذی کنّا نعمل۔ اور وہ دوزخی اس میں چیختے چلاتے رہینگے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو اس دوزخ اور اس کے عذاب سے باہر نکال لائیے (اور دوبارہ دنیا میں بھیج دیجئے وہاں جاکر) ہم اعمال صالحہ کرتے رہیں گے ان اعمال کے خلاف جو (پہلی دفعہ) ہم کیا کرتے تھے" اس کے جواب میں

ارشاد باری ہوگا: ــــ اولم نعمرکم مایتذکر فیہ من تذکر وجآءکم المنذر فذوقوا فما للظالمین من نصیر۔ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی کہ نصیحت لینے والا اس مدت عمر میں نصیحت لے سکے اور (کیا) تمھارے پاس اللہ سبحانہ کا ڈرانے والا نہیں آیا؟ (کیسے نہیں آیا ضرور آیا) تو اس کا عذاب چکھو۔ ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہو سکتا ''

افئدہ کی وجہ تخصیص | اس آیہ کریمہ میں نار اللہ کی صفت اس طرح دلوں کو جھانک لینے کی اس لئے بیان فرمائی گئی کہ اعضائے انسانی میں دل ہی ایسا عضو ہے جو سب اعضا کے مقابلے میں نہایت نازک اور لطیف تر ہے۔ ذرا سی تخصیص کا بھی وہ متحمل نہیں ہو سکتا۔ نیز یہاں فؤاد یعنی دل کی تخصیص اس لئے ہے کہ دل ہی بدعقیدگی اور بدعملی کا منبع و مرکز ہے' بدنیتی کا آغاز یہیں سے ہوتا اور اس کا زہر تمام اعضا کو متاثر کر دیتا ہے۔ نیت بدلی تو عمل صحیح و سالم نہیں رہ سکتا۔ نیت خراب ہونے سے اعمال بھی بگڑ جاتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یوں سمجھنا چاہیے کہ دل کی خرابی اور اس کا فساد نار جہنم کو دعوت دیتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں اس دعا کی تلقین فرمائی گئی: ــــ ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب۔

اے ہمارے رب! دلوں میں کجی نہ پیدا کیجئے بعد اس کے کہ آپ نے ہم کو راہ راست کی رہنمائی فرمائی۔ اور ہمارے لئے اپنے پاس سے لطف و رحمت مرحمت فرمائیے بیشک آپ ہی سب کچھ بخشنے والے عطا فرمانے والے ہیں۔"

اِنَّهَا عَلَيْهِم مُّؤْصَدَةٌ ۙ فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ؏ بے شک وہ

اُن پر بند کر دی گئی ہے درمیان لمبے لمبے ستونوں کے۔"

مؤصدہ اور ممدّدہ کی تفسیر

یعنی ان لوگوں کو دوزخ کی اس آگ میں ڈال کر اطراف سے تمام دروازے بند کر دئے گئے ہیں اور لمبے لمبے ستونوں سے ان کو باندھ کر جکڑ دیا گیا ہے تاکہ وہاں سے نہ تو کہیں بھاگ کر نکل سکیں اور نہ وہ کسی کو دیکھ کر پکار سکیں۔ پس اسی سخت عذاب میں گرفتار رہ کر ابدالآباد اس میں پڑے رہیں۔ نہ ان کا کوئی خبر گیراں ہوگا نہ کوئی فریادرس۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ اذا بقی فی النار من یخلد فیھا جعلوا فی توابیت من حدید فیھا مسامیر من حدید ثم جعلت تلک التوابیت فی توابیت من حدید ثم قذفوا فی اسفل الجحیم فما یری احد بعذاب غیرہ۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا، بیہقی) جب دوزخ میں صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جو

اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں تو ان کو لوہے کے صندوقوں میں بند کرکے لوہے کی کیلیاں اوپر سے ٹھونک دی جائینگی۔ پھر ان صندوقوں کو لوہے کے دوسرے صندوقوں میں رکھ دیا جائے گا۔ پھر ان کو دوزخ کے نچلے حصے میں پھینک دیا جائیگا اب ان دوزخیوں کی یہ حالت ہو جائے گی کہ ایک پر جو عذاب ہو رہا ہے دوسرا اس کو دیکھ نہ سکیگا۔" العیاذ باللہ۔ خدا کی پناہ۔ حافظ ابونعیم اور بیہقی نے بھی حضرت سُوید بن غفلہؓ سے اسی طرح روایت کی ہے۔

اہل شفاعت کون ہیں حضرت ابوہریرہؓ سے ایک طویل حدیث مروی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ انما الشفاعۃ یوم القیامۃ لمن عمل الکبائر من امتی ثم ماتوا علیھا فھم فی الباب الاول من جھنم لا تسود وجوھھم ولا تزرق اعینھم ولا یغلون بالاغلال ولا یقرنون مع الشیاطین ولا یضربون بالمقامع ولا یطرحون فی الادراک منھم من یمکث فیھا ساعۃ ومنھم من یمکث یوما ثم یخرج ومنھم من یمکث شھرا ثم یخرج ومنھم من یمکث فیھا سنۃ ثم یخرج واطولھم مکثا فیھا مثل الدنیا منذ یوم خلقت الی یوم افنیت وذلک سبعۃ آلاف سنۃ۔ قیامت کے دن شفاعت صرف

ان لوگوں کی ہوگی جنہوں نے میری امت میں سے کبیرہ گناہ، یعنی بڑے بڑے گناہ کئے ہوں گے پھر ان ہی گناہوں پر بغیر توبہ کئے مر گئے ہوں گے۔ ایسے لوگ جہنم کے پہلے دروازے میں ہوں گے۔ نہ تو ان کے چہرے سیاہ ہوں گے اور نہ ان کی آنکھیں نیلی ہونے پائینگی۔ نہ تو ان کو زنجیروں سے جکڑ دیا جائے گا اور نہ ان کو شیطانوں کے ساتھ باندھ رکھا جائے گا۔ نہ ان کو ہتوڑوں اور گرزوں سے مارا جائے گا اور نہ جہنم کے درکات میں ڈالا جائے گا۔ ان میں سے کچھ تو ایسے ہوں گے جو اس حالت میں گھڑی بھر ہی رہیں گے اور کوئی ایک دن ٹھہرائے جائیں گے پھر ان کو نکال لیا جائے گا۔ اور ان میں بعض ایسے ہوں گے جو ایک مہینے تک اس میں سزا بھگتے رہیں گے، پھر چھڑا لئے جائیں گے اور کوئی اس میں ایک سال تک ٹھہرائے جائیں گے پھر ان کو نکال لیا جائے گا۔ ان میں سے جو لوگ اس حالت میں سب سے طویل عرصہ تک ٹھہرائے جائیں گے وہ دنیا کی مدت کے برابر ہوگی جب سے کہ وہ پیدا ہوئی اور اس وقت تک کہ وہ فنا کی گئی۔ یہ تمام مدت سات ہزار برس کی ہوگی"۔

اہلِ توحید پر کفار کا طنز | ثم ان اللہ عزّ وجلّ اذا اراد ان یخرج الموحدین منھا قذف فی قلوب اھل الادیان فقالوا لھم

کنا نحن وانتم جمیعا فی الدنیا فآمنتم وکفرنا وصدقتم وکذبنا واقررتم وجحدنا فما اغنی ذلك عنکم نحن وانتم فیھا جمیعا سواء تعذبون کما نعذب وتخلدون کما نخلد۔ پھر خدائے عزوجل کا جب ارادہ ہوگا کہ دوزخ سے اہل توحید کو باہر نکال لائے۔ تو ادیان باطلہ کے لوگوں کے دلوں میں ایک بات ڈال دیگا چنانچہ وہ ان سے کہیں گے کہ دنیا میں ہم اور تم دونوں برابر تھے۔ فرق اس قدر تھا کہ تم (اللہ سبحانہ پر) ایمان لائے اور ہم نے انکار کیا۔ تم نے (رسولوں کی) تصدیق کی اور ہم نے جھٹلایا۔ تم نے (حشر ونشر وغیرہ کا) اقرار کیا اور ہم انکاری بنے رہے باایں ہمہ تمہارا ایمان، تصدیق اور اقرار یہاں کچھ کام نہ آیا۔ آج ہم اور تم آخرت میں بھی برابر ہیں۔ تم کو بھی عذاب ہو رہا ہے جیسا کہ ہم کو عذاب دیا جا رہا ہے۔ تم بھی اسی حالت میں ہمیشہ پڑے رہو گے جیسا کہ ہم بھی ہمیشہ کے لئے پڑے ہوئے ہیں۔"

اللہ سبحانہ کی طرف سے جواب فیغضب اللہ عند ذلك غضبا لم یغضبہ من شیئ فیما مضی ولا یغضب من شیئ فیما بقی فیخرج اھل التوحید منھا الی عین بین الجنۃ والصراط یقال لھا

نهر الحياة فيرش عليهم من الماء فينبتون كما تنبت الحبة في حميل السيل ما يلي الظل منها اخضر وما يلي الشمس منها اصفر ثم يدخلون الجنة فيكتب في جباههم عتقاء الله من النار الا رجلا واحدا فانه يمكث فيها بعدهم الف سنة ۔ (اہل توحید کی نسبت کفار کا کلمہ سنتے ہی) اللہ سبحانہ تعالیٰ اس وقت ایسا غضبناک ہوگا کہ ایسا غضبناک نہ اس سے پہلے کبھی ہوا تھا اور نہ اس کے بعد آئندہ کبھی غضبناک ہوگا۔ پھر تمام اہل توحید کو دوزخ سے نکال کر ایک چشمے کی طرف لایا جائے گا جو جنت اور پل (صراط) کے درمیان ہوگا جس کو "نہر حیات" کہا جائے گا۔ پھر اس کا پانی ان لوگوں پر چھڑکا جائے گا۔ پھر ان کی دوسری نشوونما ہوگی۔ جیسا کہ سیلاب کے کناروں پر کوئی تخم ہوتا ہے تو اس میں بالیدگی شروع ہوجاتی ہے۔ اس نہر کے پانی پر جہاں تک سایہ ہوگا اس کا رنگ سبز دکھائی دیتا ہوگا اور جہاں دھوپ پڑتی ہوگی زرد رنگ کا پانی نظر آتا ہوگا۔ (جب تمام اہل توحید تروتازہ ہوکر اصلی حالت پر آجائیں گے تو) یہ لوگ جنت میں داخل کئے جائیں گے اور ان کی پیشانی پر لکھا ہوگا عتقاء اللہ من النار یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے نار دوزخ سے آزادی بخشی ہے۔ مگر ان ہی میں سے ایک شخص ہوگا جو ان کے بعد بھی

مزید ایک ہزار سال تک دوزخ ہی میں پڑا رہیگا۔"

عیب جیں طعنہ زن مومن کی دوزخ سے رہائی

ثم ینادی یا حنّان یا منّان فیبعث اللہ الیہ ملکا لیخرجہ فیخوض فی النار فی طلبہ سبعین عاما لا یقدر علیہ ثم یرجع فیقول یا ربّ انّک امرتنی ان اخرج عبدک فلانا من النار وانّی طلبتہ فی النار منذ سبعین سنۃ فلم اقدر علیہ۔ فیقول اللہ عزّ وجلّ انطلق فھو فی وادی کذا وکذا تحت صخرۃ فاخرجہ فیذھب فیخرجہ منھا فیدخلہ الجنۃ۔

پھر وہ شخص پکارنے لگیگا:۔ اے خدائے مہربان! اے خدائے صاحب احسان!! (یہ سنتے ہی) اللہ سبحانہ تعالیٰ ایک فرشتے کو اس کے پاس بھیجدیگا کہ اس کو دوزخ سے باہر نکال لائے۔ (یہ حکم ملتے ہی) وہ فرشتہ اس شخص کی تلاش میں ستر سال تک دوزخ کے چپے چپے میں گھومتا رہیگا لیکن اس کو کامیابی نہ ہوگی (یعنی پتہ ہی نہ چل سکیگا کہ وہ کہاں ہے) پھر وہ فرشتہ واپس آکر عرض کرے گا:۔ اے بارالہا! آپ کا فرمان میرے نام صادر ہوا تھا کہ میں آپ کے فلاں بندے کو دوزخ سے نکال لاؤں۔ چنانچہ میں نے ستر سال سے دوزخ میں اس کی تلاش میں لگا ہوا ہوں مگر مجھے کہیں اس کا سراغ نہیں لگ رہا ہے۔ اس پر خدائے عزوجل کا

ارشاد ہوگا کہ جاؤ وہ (دوزخ کی) فلاں وادی میں ایک چٹان کے نیچے ہے۔ وہاں سے اس کو نکال لاؤ۔ تب کہیں وہ اس کو وہاں سے نکال لائے گا تو اس کو بھی جنت میں بھجوا دیا جائے گا۔"

رہائی کے بعد التجا ثم ان الجھنمیین یطلبون الی اللہ ان یمحی ذلک الاسم عنھم فیبعث اللہ الیھم ملکا فیمحو عن جباھھم۔ پھر یہ دوزخی (جو دوزخ سے باہر نکال لائے گئے اور جنت میں داخل کر دیے گئے) اللہ سبحانہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ (ان کی پیشانیوں پر جو لکھا ہوا ہے عتقاء اللہ من النار) اس نام کو مٹا دیا جائے۔ ساتھ ہی ایک فرشتہ ان کی طرف بھیجدیا جائے گا اور وہ نام ان کی پیشانیوں سے مٹا دیگا۔" **فقیر** عرض کرتا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جابجا اپنی صفات غفور رحیم۔ عفو۔ غفور جو بیان فرمائی ہیں یہاں ان صفات کا ظہور صاف صاف ہو رہا ہے۔ وہ اس طرح کہ دوزخ کے عذاب سے بچا لینا تو وصف غفور کا اقتضا تھا کہ ان کو بخش دیا۔ اور عتقاء اللہ من النار جو ان کی پیشانیوں پر لکھا ہوا تھا جس کے معنی یہ تھے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ سبحانہ نے نار دوزخ سے نجات دی ہے۔ اس کے بعد اب یہ نام بھی ان کی پیشانیوں سے جو مٹا دیا جا رہا ہے یہ اس کے صفات

رحیم اور عفو وغیرہ کا اظہار ہے کہ خدائے عزوجل غفور یعنی بخش دینے والا بھی ہے اور بخشنے کے ساتھ ساتھ ان پر مہربان بھی ہے اور عتقاء کے نام کو مٹا دینے والا بھی ہے۔ یہ شان دوسرے معافی دینے والوں میں کہاں؟

عیب جیں طعنہ زن کفار کی سزائے ابدی

ثم انہ یقال لاھل الجنۃ ومن دخلھا من الجھنمیین اطلعوا الی اھل النار فیطلعون الیھم فیری الرجل اباہ ویری اخاہ ویری جارہ ویری صدیقہ ویری العبد مولاہ ثم ان اللہ عزوجل یبعث الیھم ملائکۃ باطباق من نار ومسامیر من نار وعمد من نار فیطبق علیھم ذلک الاطباق وتسمر بتلک المسامیر وتمد بتلک العمد ولا یبقی فیھا خلل یدخل فیہ روح ولا یخرج منہ غم وینساھم الجبار علی عرشہ ویتشاغل اھل الجنۃ بنعیمھم ولا یستغیثون بعدھا ابدا وینقطع الکلام فیکون کلامھم زفیرا وشھیقا فذلک قولہ انھا علیھم مؤصدۃ فی عمد ممددۃ۔ (حکیم ترمذی)

پھر جنتیوں یعنی جہنم سے وہاں آئے ہوئے لوگوں سے کہا جائے گا کہ اب دوزخیوں کو جھانک کر دیکھ لو۔ چنانچہ وہ ان کو جھانک لیں گے تو کوئی اپنے باپ کو دوزخ میں

دیکھے گا اور کوئی اپنے بھائی کو۔ کوئی اپنے پڑوسی کو اس میں دیکھے گا اور کوئی اپنے دوست کو۔ کوئی غلام اپنے آقا کو دیکھے گا۔ پھر خدائے عزّوجل اہل دوزخ کے پاس فرشتوں کو روانہ فرمائے گا۔ جن کے ساتھ آگ کے دروازے آگ کے لئے اور آگ کے ستون ہوں گے۔ چنانچہ وہ دروازے وہاں نصب کرکے بند کردئے جائیں گے۔ اور وہ کیلیں ان پر ٹھونک دی جائیں گی اور وہ ستون کھڑے کردئے جائیں گے اس طرح کہ اس میں کوئی خلل یا خالی جگہ ایسی نہ رہنے پائے جس میں سے کوئی سامان راحت داخل ہونے پائے اور نہ کوئی غم وہاں سے باہر نکلنے پائے۔ اور خدائے جبار اپنے عرش پر متمکن ہوکر دوزخیوں کو فراموش فرمادے گا جنتی لوگ اپنی نعمتوں سے متمتع ہوتے رہیں گے اور کسی قسم کی کوئی فریاد اس کے بعد کبھی بھی پیش نہ کرسکیں گے سلسلۂ کلام منقطع ہوجائے گا اب دوزخیوں کا کلام صرف ان کی چیخ وپکار ہی رہ جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ انّھا علیھم مؤصدۃ فی عمد ممدّدۃ کی بس یہی تفسیر ہے"۔ حضرت سعید بن جبیرؒ تابعی سے بھی اسی کے قریب قریب ایک تفسیر مروی ہے جس کو ابن جریرؒ اور ابن المنذر نے روایت کیا ہے۔ اللّٰھمّ اجرنا من النّار۔ آمین۔

عیب چینی اور طعنہ زنی بدترین اخلاقی جرم	تقریر بالا سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ

عیب چینی اور طعنہ زنی کیسا بدترین جرم ہے اور اس کی سزا کیسی شدید ترین سزا ہے
اللھم احفظنا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ اخلاقی جرائم تکبر اور حرص و بُخل سے پیدا ہوتے ہیں اور
ان سب کا منبع اور سرچشمہ مال کی محبت ہے۔ پھر یہ عیب چینی اور طعنہ زنی جن
ہستیوں کے ساتھ کی جائیگی انکے مدارج و مراتب کے لحاظ سے شدت اختیار کرتی جائیگی
اور اسی مناسبت سے سزا بھی سخت تر تجویز ہوگی۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ فی الواقع
کسی میں کوئی عیب ہو یا اس پر طعن کیا جا سکتا ہو۔ اگر کوئی مقدس ہستی ایسی ہو کہ وہاں کوئی
عیب ہی نہ ہو اور نہ اس پر کوئی طعن کیا جا سکتا ہو بایںہمہ ان کو زبردستی کوئی عیب لگایا
جائے اور بیجا طور پر مطعون قرار دیا جائے تو یہ دوہرا جرم ہوگا۔ اور ایسی صورت میں عیب چین
اور طعنہ زن کو دوہری سزا کا متوقع رہنا چاہیئے۔

سورۂ ہمزہ کے مناسبات مفسرین کرام نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ اس سورت شریفہ میں
شروع سے آخر تک ایسے مناسبات جمع فرما دیئے گئے ہیں کہ ان پر غور کرنے سے قرآن
کریم کی حسن ترتیب پر عجیب قسم کی روشنی پڑتی ہے۔ اس کی توضیح و تشریح یوں ہے کہ
اس سورت شریفہ کی ابتدا میں عیب چیں اور طعنہ زن کا انجام بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ
اپنے مال و دولت کے گھمنڈ میں دوسروں کے عیوب نکالتے اور ان کو طعنہ دیتے ہیں تاکہ
اس ذریعہ سے دوسروں کی عزت پر حرف لانے کی کوشش کریں۔ اور ان کی جماعت کو

توڑنے کی فکر کریں۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان کی سزا "حُطَمَہ" تجویز فرمائی جو دوزخ کا
ایسا مقام ہے جہاں مجرمین کی ہڈی پسلی توڑ کر رکھ دی جائیگی۔ نیز عیب چین اور طعنہ زن دوسرے
نیک لوگوں کی تحقیر کرنی چاہتے تھے۔ اللہ پاک نے فرمایا: لَيُنبَذَنَّ یہ لوگ حطمہ
پھینک دئے جاتے رہیں گے"۔ ظاہر ہے کہ داخل کئے جانے کے مقابلہ میں پھینک دیا جانا موجب
تذلیل و تحقیر ہے۔ پھر چونکہ مجرمین کے ان افعال کا موجب حُبّ مال تھا۔ اور معلوم ہے کہ
محبت کا مقام دل ہے۔ اسلئے ان پر جو آگ مسلط کی جائے گی وہ سیدھا ان کے دلوں
کی طرف رخ کرے گی۔ تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ۔ ان کے دلوں کو جھانک لیگی۔ نیز مال
کی محبت ایسی ہے جو دلوں سے کبھی نہیں نکلتی اور مالدار کا دل بھی شب و روز مال کی محبت
میں گرفتار رہتا ہے۔ یہی حال ان کے عذاب کا ہے جس سے وہ کبھی چھوٹنے نہ پائینگے۔
اِنَّهَا عَلَيْهِم مُّؤْصَدَةٌ فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ۔ وہ آگ ان کو ہر طرف سے بند
کئے ہوئے ہوگی اور وہ خود آگ کے لمبے لمبے ستونوں سے بندھے ہوئے ہوں گے"۔

اعاذنا اللہ منھا۔ آمین

سورۂ ہمزہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ وللہ الحمد۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم

علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔